قسط ۴

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

اولیاء کرام اور سلاطین اسلام کی مرثیہ خواں

دہلی کا تازہ سفرنامہ

اسلام کی عظمت رفتہ کے کھنڈرات

درگاہ کے احاطے میں سب سے پہلے حضرت امیر خسروؒ کی قبر آتی ہے۔ سلطان المشائخ کی زندگی میں جو لوگ ان سے ملنے آتے تھے وہ امیر خسرو کے توسط سے ان کی خدمت میں باریاب ہوتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ دستور قائم رہا۔ اب بھی زائرین پہلے امیر خسرو کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں، اس کے بعد سلطان جی کے روضے پہ حاضر ہوتے ہیں۔

امیر خسروؒ پہ حال ہی میں ہندوستان میں بڑا کام ہوا ہے۔ سید صباح الدین عبد الرحمٰن کی تصنیف "ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں"، چاند خان کی تالیف "موسیقی حضرت امیر خسرو" اور ڈاکٹر نور الحسن انصاری کی مرتبہ "امیر خسرو، احوال و آثار" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حکومت ہند نے ایک خصوصی سیمینار بھی منعقد کرایا تھا جس میں امیر خسرو کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

امیر خسرو کے مزار کی پائنتی خواجہ حسن نظامی مرحوم کا حجرہ ہے۔ اس کے دروازے پہ آمنے سامنے دو قبریں ہیں ان میں سے ایک قبر ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کی اور دوسری مورخ شہیر شمس سراج عفیف کی بتائی جاتی ہے لیکن راقم الحروف کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔

امیر خسرو کے مزار سے جانب مغرب چند قدم کے فاصلے پر سلطان المشائخ کے خادم خاص خواجہ اقبال کی قبر ہے علامہ اقبال نے ایک منقبت میں ان کے ہم نام ہونے پہ اظہار فخر کیا ہے۔

امیر خسرو کے مزار کے سرہانے مغل فرمانرواؤں میں سے محمد شاہ (م ۱۷۴۰ء) اور احمد شاہ (م ۱۷۷۴ء) کی قبریں ہیں۔ یہ دونوں حکمران شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے۔ محمد شاہ کی رنگ رلیوں کی وجہ سے مغل حکومت اور عوام کو برے دن دیکھنے پڑے۔ اسی کے عہد حکومت میں نادر شاہ نے ہندوستان پہ حملہ کر کے دہلی میں قتل عام کیا تھا۔

ان مغل حکمرانوں کی قبروں کے عقب میں سنگ مرمر کے محجر کے اندر شہزادی جہاں آرا بیگم محو خواب ابدی ہے۔ اسے خواجگان چشت کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ اور اس نے اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے مزار پر ایک دالان تعمیر کیا تھا جو اس کے نام کی مناسبت سے بیگمی دالان کے نام سے موسوم ہے شہزادی جہاں آرا

نے مونس الارواح اور رسالہ صاحبیہ کے عنوانات سے دو کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ آخر الذکر تصنیف کو راقم الحروف نے فارسی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ اس تصنیف میں حضرت ملّا شاہ بدخشی کے سوانح حیات قلم بند کئے ہیں۔ شہزادی نے داراشکوہ کی ترغیب پر ملّا شاہ کی بیعت کر لی تھی۔

جہاں آرا کا لوح مزار قابلِ دید ہے اس پر خط ثلث میں یہ عبارت درج ہے:

هو الحی القیوم

بغیر سبزہ نپوشد کسی مزار مرا

کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

الفقیرہ الفانیہ جہاں آرا مرید خواجگان چشت بنت شاہ جہاں پادشاہ غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ

سلطان المشائخ کا مزار مسجد کے صحن میں ایک سفید فاش دار گنبد کے نیچے ہے۔ مزار کے چاروں طرف برآمدہ بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے مزار کے اندر ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ مزار کے اوپر صندل کی لکڑی کی بنی ہوئی ایک چھپر کھٹ نصب ہے جس پر سیپ، کا بہت عمدہ کام بنا ہوا ہے۔ یہ چھپر کھٹ جہانگیر کے منصب دار نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کا ہدیہ عقیدت ہے۔ نواب مرحوم و مغفور کا حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالحق محدثؒ اور خواجہ باقی باللہؒ کے ساتھ بڑا قریبی رابطہ تھا۔ ان تینوں بزرگوں کے مکاتیب میں نواب مرتضیٰ خان کے نام خطوط موجود ہیں۔

سلطان المشائخ کے مزار کے قریب ایک شاندار مسجد موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ مسجد علاؤالدین خلجی کے فرزند خضر خان نے تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد کی شمالی دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جو باہر سے نظر نہیں آتا۔ اب اس قبرستان میں چند افراد نے رہائش اختیار کر لی ہے۔ یہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جاگیردار جہانگیر آباد کی خاندانی ادواڑہ ہے۔ نواب موصوف غالب اور مومن کے خاص دوست تھے۔ شیفتہ کا یہ شعر زبان زدِ خلائق ہے۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ

اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

شیفتہ کی قبر پر جو لوح نصب ہے اس پر یہ عبارت درج ہے۔

یا اللہ جزاھم بما صبروا جنات و حریرا ۱۲۸۶ھ

شیفتہ کی قبر کے ساتھ ہی ان کے فرزند نواب محمد اسحاق خان کی قبر ہے ان کے لوح مزار پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

نواب حاجی محمد اسحٰق خان رئیس جہانگیر آباد

کل نفس ذائقة الموت ۱۹۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انا للہ و انا الیہ راجعون ۱۳۳۷ھ

وقت چاشت یوم یکشنبہ ۲۲ محرم الحرام، ۱۳۳۷ھ، ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء
نواب اسحاق خان کی قبر کے ساتھ ہی ان کے فرزند نواب محمد اسمٰعیل خان کی آخری آرام گاہ ہے۔ موصوف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

نواب محمد اسمٰعیل خان

ابن نواب محمد اسحاق خان ابن نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ میرٹھی۔ پیدائش ۱۲ ستمبر ۱۸۸۴ء آگرہ
وفات ۲۰ جون ۱۹۵۸ء میرٹھ "غریق رحمت"

سلطان المشائخ کی درگاہ میں مدفون بزرگوں کی قبریں دیکھ کر معاً ذہن میں یہ مصرع آتا ہے:

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

بستی نظام الدین میں سلطان فیروز تغلق (م ۱۳۸۸ء) کی تعمیر کردہ ایک پرشکوہ مسجد موجود ہے۔ لیکن گلیوں میں گھر جانے کی وجہ سے عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ پہلے اس مسجد کی حالت بڑی خستہ تھی اب تبلیغی جماعت نے اس کی طرف توجہ دی ہے جب بنگلے والی مسجد میں مجمع زیادہ ہو جاتا ہے تو انہیں یہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ الحمدللہ کہ اب یہ مسجد بھی آباد رہنے لگی ہے۔

بستی نظام الدین میں خواجہ حسن نظامی کا مقبرہ بھی قابل دید ہے۔ ان کے معتقدین نے ان کی قبر پر ایک بڑا گنبد بنوا دیا ہے جو سلطان جی کے گنبد سے بھی اونچا ہو گیا ہے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنی قبر کا کتبہ لکھوا لیا تھا۔ اس پر یہ عبارت منقوش ہے۔

۷۸۶ ھوالکل یامعین

سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیا۔ محبوب الٰہی کے جانشین امام المشائخ شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی۔

ادیب المغفور ۱۳۷۴ھ غوث وقت ۱۲۰۲ بکرمی
آخری آرامگاہ حضرت کا خود نوشتہ کتبہ

یہ قبر ایک مسلمان کی ہے اس خاک میں وہ سوتا ہے جس نے دنیا کی بیداری میں سونے والوں کو جگانے کی خاطر اچھی اور بری موت کا فرق قلم کی بجلی سے زندہ کر کے دکھایا۔

چار دن کی شہرت پر گھمنڈ نہ کرنا، کہ یہ بھی بہت مشہور تھا۔ قوت تحریر و تقریر کا غرور دل میں نہ لانا کہ اس کی قوت انشا پردازی نے بھی تمام ہندوستان میں دھاک بٹھا دی تھی۔ مگر آج وہ ساری دھوم اس تودہ خاک میں چپ چاپ پڑی ہے۔ یہ اس کی قبر ہے جس نے الواح قبور اس وقت لکھیں جب کہ دنیا کی کسی زبان میں ان کی نظیر موجود نہ تھی۔ لیکن یہ

بے مثال باتیں ایجاد کرنے والا بھی آخر مر گیا اور کہہ گیا کہ کام آخرت کی نیت سے کرنا جس کا نتیجہ لازوال ہے۔ اس زندگی کے لئے نہیں جہاں کا رہنا چند ساعت کا خواب و خیال ہے (ماخوذ از قبروں کے غیبی فرشتے)

آفتاب اہل علم و یقین حسن نظامی ۱۹۵۵ء تاریخ ولادت ۲ محرم ۱۲۹۶ھ یوم پنجشنبہ بوقت صبح صادق تاریخ وصال ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ دوشنبے کی رات۔

خواجہ حسن نظامی کے احاطہ مزار میں سر شاہ سلیمان (م ۱۹۴۱ء) سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و جج الہ آباد ہائیکورٹ کی قبر ہے۔ ان کی قبر پر کتبہ نصب نہیں ہے۔

سر شاہ سلیمان کا شمار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لائق ترین وائس چانسلروں میں ہوتا ہے۔ قانون کے علاوہ انہوں نے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مشہور جرمن سائنسدان آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کا رد کیا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کے فرزندان اگر اپنے اس مہمان کی قبر پر یہ کتبہ لگا دیں تو زائرین کو ان کی قبر تلاش کرنے میں آسانی رہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کی درگاہ سے "چراغ دلی" روانہ ہوا۔ ان دونوں درگاہوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے میرے اندازے کے مطابق سات آٹھ میل سے کم مسافت نہیں ہے۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمہ اللہ کی درگاہ تک پہنچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ پرانی دہلی سے وہاں جانے کے لئے موٹر رکشا میں سفر کرنا بڑا مہنگا پڑتا ہے۔ تیس پینتیس روپے سے کم بھی میٹر بھلا کیا چلتا ہوگا۔

حضرت کی درگاہ ایک قلعہ نما عمارت کے اندر ہے۔ اس قلعہ میں ہندو آباد ہیں۔ قلعہ کی مغربی سمت میں ایک بڑے احاطے کے اندر حضرت نصیر الدین محمود اودھی المعروف بہ چراغ دہلی کا مزار ہے۔ مزار کی عمارت پر بیس دری بنی ہوئی ہے اور اس کی محرابیں مغل طرز تعمیر کی غمازی کرتی ہیں۔ گنبد پر پرانی وضع کے نقش و نگار اب تک موجود ہیں۔ حضرت کا مزار ایک کمرے کے اندر ہے اور اس کے چاروں طرف غلام گردش بنا ہوا ہے۔ آپ کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

مزار شریف مستغرق بحر شہود شمس العارفین حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی چشتی نظامی۔ وصال ۷۸۶ھ

۱۸ رمضان ۷۵۷ھ۔

خانقاہ عالیہ کے صحن میں حضرت چراغ دہلی کے خلیفہ اعظم حضرت قاضی محمد ساوی کی قبر ہے۔ اس کے قریب ہی حضرت چراغ دہلی کے خواہر زادے علامہ کمال الدین اور ان کے بھائی خواجہ زین الدین احمد کی قبریں ہیں۔ علامہ کمال الدین کا مقبرہ حال ہی میں تعمیر ہوا ہے۔ علامہ صاحب کا روحانی فیض گجرات اور دکن کی طرف پھیلا ہے۔

درگاہ کی مسجد کے عقب میں لودھی خاندان کے بانی سلطان بہلول لودھی (م ۱۴۸۸ء) کا مقبرہ ہے۔ یہ عمارت اب بڑی خستہ حالت میں ہے اور کسی وقت بھی زمین بوس ہو سکتی ہے۔ مقبرے کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے اور اس

کے گرد آٹھ چھوٹے گنبد بنے ہوتے ہیں۔ مقبرے کے اندر تین قبریں ہیں۔ بڑی قبر سلطان مرحوم کی ہے۔ قبر کے تعویذ کے سرہانے کلمہ توحید کندہ ہے۔ تمام محرابوں پر آیات قرآنی کوفی خط میں مرقوم ہیں۔ اور جگہ جگہ سبحان اللہ اور یا اللہ کندہ ہے۔

بہلول لودھی کے مقبرے کے باہر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس لئے جنگلی جانور مقبرے تک آجاتے ہیں۔ میں نے وہاں کئی سوروں کو گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک دیوار پر ایک جنگلی سور بیٹھا تھا۔ میرے استفسار پر ایک شخص نے بتایا کہ یہ جگہ جنگل میں واقع ہے اس لئے جنگلی جانور یہاں آجاتے ہیں۔

سبحان اللہ یہ کیا جگہ تھی۔ سلطان المشائخ کی رحلت کے بعد یہیں حضرت چراغ دہلی نے حوادث زمانہ کے مخالف جھونکوں میں چشتیہ سلسلہ کا چراغ روشن رکھا تھا۔ اسی خانقاہ میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز سید محمد الحسینیؒ کی تربیت ہوئی تھی۔ اور اسی خانقاہ میں علامہ کمال الدین درس دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہاں کے در و دیوار قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے گونجا کرتے تھے۔ یہیں سلطان فیروز تغلق حضرت چراغ دہلی کی زیارت کو آیا کرتا تھا اور حضرت کمال بے نیازی سے نوافل میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ اسی خانقاہ میں مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہاں گشت بخاری نے حضرت چراغ دہلی سے اخذ فیض کیا تھا۔ اب شاہین کا یہ نشیمن زاغوں کے تصرف میں ہے اور وہاں دن دیہاڑے سور لوٹیں لگاتے ہیں۔ کاش دہلی کے غیرت مند مسلمان ان مقدس مقامات کی صفائی کی طرف توجہ دیں تاکہ زائرین وہاں سے بیزار ہو کر واپس نہ جائیں۔

چراغ دہلی سے میں ندوۃ المصنفین واپس آیا اور کچھ دیر سستانے کے بعد چتلی قبر بازار، بھوجلا پہاڑی اور بلبلی خانہ ہوتے ہوئے مسجد کلاں پہنچ گیا۔ یہ مسجد سلطان فیروز تغلق کے وزیر جہاں خان کی تعمیر کردہ ہے۔ اس کی کرسی زمین سے ایک منزل بلکہ اس سے بھی زیادہ بلند ہے۔ یہی وہ تاریخی مسجد ہے جہاں گزشتہ صدی کے نصف آخر میں نواب مولوی قطب الدین خان درس دیا کرتے تھے۔ موصوف شاہ محمد اسحاق کے شاگرد رشید تھے اور وضع قطع میں بھی اپنے استاد کے مشابہ تھے۔ ان کا شمار دہلی کے نامور علماء میں ہوتا تھا۔

اسی مسجد کے قریب پیچ دار گلیوں کے اندر ایک جگہ رجیؔ سجیؔ کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے یہ ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جو چاروں اطراف سے مکانوں میں گھرا ہوا ہے اس احاطے میں پرانے وقتوں کی دو قبریں ہیں۔ مقامی روایت کے مطابق ایک قبر سلطانہ رضیہ کی ہے اور دوسری اس کے شوہر التونیہ حاکم بٹھنڈہ کی۔ التونیہ کی شکست کے بعد میاں بیوی جان بچانے کے لئے بھاگے تو راستے میں کیتھل کے قریب ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئے۔ شاہی فوج ان کی میتیں دہلی اٹھا لائی۔ اور انہیں موجودہ جگہ پر سپرد خاک کر دیا۔

شام کے وقت میں ٹہلتے ہوئے حضرت کلیم اللہ ولی شاہجہان آبادی رحمہ اللہ کی درگاہ میں پہنچ گیا۔ یہ درگاہ جامع مسجد سے بمشکل سو سوا سو گز کے فاصلے پر ہوگی حضرت کلیم اللہ ولی کا شمار سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجددین میں ہوتا ہے

ان کی درگاہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں سے پہلے ایک آبادی کے اندر تھی۔ جب انگریزوں نے انتقامی جذبے کے تحت اس آبادی کو صاف کیا تو حضرت کی درگاہ کو بھی نقصان پہنچا۔ اب ان کا مزار ایک کھلے میدان میں ٹین کی چھت کے نیچے ہے۔ اور اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضرت کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادیؒ

فضل و کمال خویش بود مرہم قلب ریش بود

سال وصالش گفتہ ہاتف قطب زمانہ خویش بود

ایک بڑی لوح پر حضرت کے سوانح حیات بھی درج ہیں۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت کلیم اللہ کا آبائی وطن خجند تھا لیکن ان کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ انہوں نے شیخ یحیٰ مدنی سے خرقہ خلافت پایا تھا۔

اس درگاہ کے احاطے میں بہت سی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی مدیر "آستانہ" کی ہے۔ "تربت فاروقی" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

دہلی کے سابق میئر نورالدین احمد بیرسٹر اور ان کی انگریز نژاد اہلیہ بھی اسی درگاہ کے احاطے میں محوِ خواب ابدی ہیں۔

نورالدین احمد کی قبر کے سرہانے جو لوح نصب ہے اس پر یہ عبارت درج ہے:۔

نورالدین احمد بیرسٹر دلی کے میئر

۱۹۰۴ء - ۱۹۷۴ء

مرقد معدن پاک ۱۳۹۴ھ

متوطنہ ریاض جنت سال ولادت مبارک سیرو صورت

۱۹۷۴ء ۱۹۰۴ء

سالِ وفات اندوہ افزا پرغم ۱۹۷۴ء

شام کے وقت درگاہ کلیم اللہ میں کافی رونق ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی قوالی کی محفل بھی جمتی ہے۔ یہ درگاہ ایک کھلے میدان میں ہے۔ اس لئے پرانے شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں رہنے والے لوگ ہوا خوری کے لئے لوگ یہاں چلے آتے ہیں۔ (باقی)

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے
پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرمائیے